جلد:76 شمارہ:5

ماہنامہ **نیا دور** لکھنؤ

ستمبر ۲۰۲۱ء

سرپرست
سنجے پرساد
پرنسپل سکریٹری، محکمہ اطلاعات ورابطہ عامہ، اتر پردیش

پبلشر: **ششر** (ڈائرکٹر، انفارمیشن)

انشمان ترپاٹھی (ایڈیشنل ڈائرکٹر، انفارمیشن)

ادارتی مشیر
کم کم شرما (ڈپٹی ڈائرکٹر، انفارمیشن)

ایڈیٹر
ریحان عباس
رابطہ:9838931772
Email:nayadaurmonthly@gmail.com

معاون: **شاہد کمال**

رابطہ برائے سرکولیشن وزرِ سالانہ:
صبا عرفی:7705800953
آسیہ خاتون

تزئین کار: ایم. ایچ. ندوی
مطبوعہ: پرکاش پیکیجرس، گولہ گنج، لکھنؤ
شائع کردہ: محکمہ اطلاعات ورابطہ عامہ، اتر پردیش
زرِ سالانہ: ۱۸۰/روپے

ترسیل زر کا پتہ
ڈائرکٹر انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ
پنڈت دین دیال اُپادھیائے سوچنا پریسر، پارک روڈ،
اتر پردیش، لکھنؤ 226001

Pleas send Cheque/Bank Draft in favour of Director,Information & Public Relations Department,Pandit Deendayal Upadhyay Soochna Parisar,UP,Lucknow

خط وکتابت کا پتہ
ایڈیٹر نیا دور، پوسٹ باکس نمبر ۱۴۶، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱
بذریعہ کوریئر یا رجسٹرڈ پوسٹ
ایڈیٹر نیا دور، انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ
پارک روڈ، سوچنا بھون، اتر پردیش، لکھنؤ 226001

اس شمارے میں...

اداریہ اپنی بات ۲

مضامین

شب خون: ایک مطالعہ	پروفیسر عابد حسین حیدری	۳
"بھگوت گیتا" تراجم کے تناظر میں	ڈاکٹر راشد میاں	۸
عصرِ حاضر کے تناظر میں غالبؔ کی فلسفیانہ بصیرت	ڈاکٹر طالب اکرام	۱۱
عصری ذہنی ساخت کا مرتب ابنِ صفی	ڈاکٹر فرحت نادر رضوی	۱۴

منظومات

نظم (روشن ہے)	تجسسؔ اعجازی	۱۶
غزلیں	ہاشمی رضوی/ بدر واسطی	۱۷
غزل/نظم	شمس رمزی/گلشن آرا	۱۸
غزل	مصباح الہ آبادی	۲۵

افسانے

پہاڑی گلاب	پروفیسر اسلم جمشید پوری	۱۹
رابطہ	سید انجم رومان	۲۳
لال چوڑیاں	ارم نعیم	۲۶

طنزاچے

شاہ ثمرات آم کی شہرت خاص وعام	ڈاکٹر اسد رضا	۳۰
پہلی بار	اشفاق برادر	۳۱

ترقیات

گلوبل انوسٹرس سمٹ ۲۰۲۳/اتر پردیش	علیشا	۳۲

ماہنامہ نیا دور، information.up.nic.in ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔

قیمت فی شمارہ:	پندرہ روپے
سالانہ رکنیت فیس:	ایک سو اسی روپے
دو سال کی رکنیت فیس:	تین سو ساٹھ روپے
تین سال کی رکنیت فیس:	پانچ سو چالیس روپے

نوٹ: اپنی کمپوز شدہ تخلیقات، مندرج ای میل آئی ڈی پر ہی ارسال کریں۔
E:mail:nayadaurmonthly@gmail.com

نیا دور میں شائع ہونے والے تمام تر مشمولات میں جن خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، اس کی پوری ذمہ داری مصنف کی ہے۔ حکومت اتر پردیش کا متفق ہونا بہرحال ضروری نہیں ہے۔

For Latest Issues of Naya Daur visit at www.information.up.nic.in

Scanned with CamScanner

پروفیسر عابد حسین حیدری

(صدر شعبہ اردو ایم جی پوسٹ گریجویٹ کالج، سنبھل)

9411097150

شب خون: ایک مطالعہ

راقم الحروف نے جب شعوری آنکھیں کھولیں تو شب خون ادبی دنیا پر شب خون مار کر اردو دنیا کا ایک مقبول رسالہ بن چکا تھا اور وہ صرف اس لیے کہ ہند و پاک کے کسی رسالے کے پاس شمس الرحمن فاروقی جیسا جینیس نہیں تھا، جو موصوف کی طرح رسالے میں شائع ہونے والے مضامین پر وقت صرف کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ شمس الرحمن فاروقی کی شخصیت اور علمیت کے ساتھ ان کی تحریریں، ساتھ ہی رسالے میں موجود مضامین اور منظومات قارئین کی توجہ کا مرکز بنتے رہے۔ راقم الحروف کو ۱۹۸۶ء میں لکھنؤ یونیورسٹی کا طالب علم بننے کے بعد اس رسالے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا کیونکہ میرے دو اساتذہ پروفیسر نیر مسعود رضوی اور پروفیسر انیس اشفاق "شب خون" کے قلم کاروں میں شامل تھے۔ اکثر و بیشتر نیر مسعود سر ہمیں رسالہ دیتے اور کہتے کہ فلاں مضمون یا فلاں افسانہ یا اس غزل کو غور سے پڑھیے گا۔ اس طرح اکثر شب خون کے شمارے آسانی سے ہماری دسترس میں ہوتے۔ اس طرح شمس الرحمن فاروقی کی علمی وجاہت ان کے ہر مضمون اور ہر تحریر سے مزید ہم پر آشکار ہوتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ادبی دنیا میں ان کا رعب اور ان کی علمیت کی دھاک اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ کسی چھوٹے موٹے شاعر ادیب اور نقاد کا تو ان کے دربار میں گزر تک نہیں ہوتا تھا اور ان کے سامنے منہ کھولنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ شمس الرحمن فاروقی کی عالمانہ نظر اتنی گہری تھی کہ وہ ادب کے کسی بھی موضوع پر بے تکان گفتگو کرتے اور اپنی مدلل تحریروں سے قاری یا سامع کو رام کرنے کا ہنر جانتے تھے۔ کثیر الجہات شخصی اور تخلیقی خوبیوں کے مالک فاروقی نے شاعری، فکشن، تحقیق و تنقید سمیت دنیائے ادب کے بہت سے گوشوں میں اپنی علمیت، بوقلمونی اور دانشوری کے درخشاں و تابندہ نقوش چھوڑے ہیں۔ اردو کی ادبی صحافت کو نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کرانے والے شمس الرحمن فاروقی نے اپنی تحریروں، تبصروں، اداریوں اور دیگر ادبی و تحقیقی مضامین سے ادبی دنیا میں اپنے وجود کو راسخ کیا اور اس عہد کے ادبی جمود کو توڑنے کی کوشش کی۔ ان کے اس علمی سفر میں "شب خون" آپ کا ایک بڑا حوالہ ہے۔ اسی شب خون میں پہلے پہل فاروقی کی تنقید کے جوہر کھلے اور ان کی تحریروں نے شب خون کو اعلیٰ معیار بخشا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے بہت سے خشک مضامین، نظمیں، غزلیں اور افسانے چھاپ کر قاری کو الجھن میں بھی مبتلا کر دیا تھا اسی لیے اردو کے عام قاری کا یہ تاثر ہوتا تھا کہ یہ رسالہ پڑھے لکھے شاعروں اور ادیبوں ہی کے لیے مخصوص ہے لیکن یہ سچائی بھی ہے کہ شب خون اردو کی ادبی دنیا کا وہ معرکۃ الآراء رجحان ساز اور تاریخ ساز رسالہ ہے جسے جدیدیت کا پیش رو قرار دیا جا سکتا ہے۔ فاروقی نے اس کا اجرا جون ۱۹۶۶ء میں کیا تھا۔ شب خون کے وسیلے سے فاروقی نے اردو میں ادب کے متعلق نئے خیالات اور برصغیر و دوسرے ممالک کے اعلیٰ ادب کی نہ صرف ترویج کی، قلم کاروں کو نئی فکر، نئے رجحان و احساس سے نہ صرف روشناس کرایا بلکہ نئے لکھنے والوں کی فکری و تخلیقی تربیت بھی کی۔ اس طرح ۳۹ برس تک مسلسل پابندی کے ساتھ شائع ہونے والے شب خون نے اردو قلم کاروں کی دو نسلوں کی تربیت کی۔ شمس الرحمن فاروقی نے سرکاری ملازمت کی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے شب خون جیسا عہد ساز اور طاقتور رسالہ جاری کیا جس کے ذریعہ انھوں نے جدیدیت کی اس شدت سے تبلیغ کی کہ پورے ایک دور کو بدل کر رکھ دیا۔ فاروق ارگلی نے اس صورت حال کی عکاسی کرتے ہوئے لکھا:

> "شمس الرحمن فاروقی کے برپا کردہ انقلاب نے تخلیق و تصنیف کے دھارے موڑ دیئے۔ انھوں نے سرمایہ و محنت کی کشمکش کے اشتراکی رجحان کے خلاف آواز بلند کی جس کی مادیت اور نظریات جبر نے ان کے خیال میں تخلیقی ادب کو خطابت اور صحافت بنا دیا تھا۔ انھوں نے اردو میں علامتی، ایمائی اور تجریدی تخلیقی رجحان کو فروغ دیا جس میں غزل چیستاں بن گئی اور افسانے سے کہانی غائب ہو گئی۔ اس کے لیے شمس الرحمن فاروقی پر ایک مخصوص

> "اردو کے رسائل میں شب خون کو یہ امتیاز رہا کہ اسے شمس الرحمن فاروقی جیسا صاحب نظر بالواسطہ یا بلاواسطہ مدیر ملا جس نے شب خون میں عالمی ادب سے متعلق مضامین اور دیگر تحریریں شائع کیں اور فاروقی کے اداریے، مضامین اور مخصوص ادیبوں اور شاعروں پر گوشوں کی اشاعت اس کے گواہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چھٹی دہائی میں ماہنامہ شب خون ادبی امنگوں اور حوصلوں کی ایک نئی اڑان بن کر سامنے آیا۔ نوجوان قلم کاروں کا جوش اور تجربہ کار بزرگوں کی رہنمائی نے بہت جلد اس رسالے کو ادبی افق پر ثبت کر دیا۔ جون ۱۹۶۶ء میں پہلا شمارہ ڈاکٹر اعجاز حسین کی ادارت میں شائع ہوا اور نائب مدیر کی حیثیت سے جعفر رضا بھی شامل رہے۔ مجلس عاملہ میں شمس الرحمن فاروقی، جمیلہ فاروقی (بیگم شمس الرحمن فاروقی) پروفیسر سید احتشام حسین اور حامد حسین حامد وغیرہ شامل تھے۔"

Scanned with CamScanner

نظریاتی طبقہ توڑ پھوڑ اور ادبی تخریب کاری کا الزام بھی عائد کرتا ہے لیکن اگر یہ الزام صحیح بھی ہے تو بھی فاروقی کی جدیدیت پسندی اور شب خون کی اہمیت پر حرف نہیں آتا بلکہ یہ اس تخریب کے بعد ایک نئی تعمیر کے آغاز میں ان کے قائدانہ کردار کی تاریخی علامت ہے۔"[۱]

موافقت اور مخالفت کی کشمکش سے نبرد آزما ہوتے ہوئے شب خون ادبی صحافت کا ایسا صحیفہ بنا کہ اس جریدے کے بند ہو جانے کے بعد بھی اس کی دھمک باقی ہے۔ آج ہندوستان میں کئی درجن ادبی رسائل شائع ہو رہے ہیں لیکن ان رسائل میں چھپنے والے مضامین، اداریے، تبصرے پڑھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس نوعیت کے ہیں۔ اساتذہ کے پروموشن اور ریسرچ اسکالر کے لیے یو جی سی گائڈ لائن نے اسے کاروباری رنگ عطا کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان دنوں اردو رسائل کی ایک ہوڑ جاری ہے۔ ہر مدیر یا تو مالی منفعت یا جلد سے جلد شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ میں بہت سے مدیروں کی صلاحیت بھی سامنے آجاتی ہے۔ اس لیے کہ صرف رسالہ نکالنا ہی بڑے ادیب اور شاعر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ نیاز فتح پوری، سید سلیمان ندوی، علی جواد زیدی، سید خورشید احمد، صباح الدین عبدالرحمن، صباح الدین عمر جیسے ادبی رسائل کے مدیر کسی بھی مضمون کو شائع کرنے سے پہلے اس پر بہت زیادہ محنت کرتے تھے۔ موجودہ عہد میں جہاں کتابوں، شعری مجموعوں کی ایک بھیڑ ہے لیکن ان کتابوں اور مجموعوں کے پڑھنے والوں کی تعداد روز بروز گھٹتی جا رہی ہے اس ماحول میں ہر مدیر کے پاس تبصرے کے لیے درجنوں کتابیں آتی ہیں اور وہ ان پر چھوٹے موٹے مضامین اور تبصرے لکھ کر نقادوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے اور کسی موضوع یا فیلڈ میں تشخص نہ ہوتے ہوئے بھی ہر موضوع پر تبصرہ یا مضمون لکھ مارتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تبصرہ نہ ہو کر قصیدہ بن جاتا ہے جبکہ کسی ادبی رسالے کے ایڈیٹر کو اتنی معلومات ہونا چاہیے کہ وہ کسی کے ادبی مقام و مرتبہ کو سمجھنے کے لیے ادبی رجحان کے ساتھ ساتھ عالمی ادب پر بھی اس کی گہری نظر ہو، اردو زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کے ادب میں کیا کچھ لکھا جا رہا ہے اور کیسا لکھا جا رہا ہے اسے اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے تاکہ ادبی تسامح سے اپنے رسالے کو محفوظ رکھ سکے۔

اردو کے رسائل میں شب خون کو یہ امتیاز رہا کہ اسے شمس الرحمن فاروقی جیسا صاحب نظر بالواسطہ یا بلاواسطہ مدیر ملا جس نے شب خون میں عالمی ادب سے متعلق مضامین اور دیگر تحریریں شائع کیں اور فاروقی کے اداریے، مضامین اور مخصوص ادیبوں اور شاعروں پر گوشوں کی اشاعت اس کے گواہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چھٹی دہائی میں ماہنامہ شب خون ادبی امنگوں اور حوصلوں کی ایک نئی اڑان بن کر سامنے آیا۔ نوجوان قلم کاروں کا جوش اور تجربہ کار بزرگوں کی رہنمائی نے بہت جلد اس رسالے کو ادبی افق پر ثبت کر دیا۔ جون ۱۹۶۶ء میں پہلا شمارہ ڈاکٹر اعجاز حسین کی ادارت میں شائع ہوا اور نائب مدیر کی حیثیت سے جعفر رضا بھی شامل رہے۔ مجلس عاملہ میں شمس الرحمن فاروقی، جمیلہ فاروقی (بیگم شمس الرحمن فاروقی) پروفیسر سید احتشام حسین اور حامد حسین حامد وغیرہ شامل تھے۔ اس کے اداریے میں ڈاکٹر اعجاز حسین نے رسالے کے معرض وجود میں لانے کی غرض و غایت کو بیان کرتے ہوئے لکھا:

"ہندوستان میں علمی و ادبی رسالوں کی تعداد بہت کم ہوتی جا رہی ہے۔ گنتی کے چند ایسے جریدے رہ گئے ہیں جو چراغ راہ بن کر راہ ادب کو روشن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر تعداد کی کمی اور روشنی کا فقدان ان دونوں وجوہ سے بھی بہت ناکافی ہے۔ اس کی ذمہ داری صرف ان ہی لوگوں پر نہیں جو اردو زبان سے بیگانگی برتنے میں فخر محسوس کرتے ہیں بلکہ ان لوگوں پر بھی ہے جو اپنے کو اردو دوست سمجھتے اور کہتے ہیں۔ اس لیے کہ کوئی ادبی تنظیم ایسی نہیں جو تمام بکھرے ہوئے دانوں کو ایک رشتہ میں پرو دے، مختلف و متعدد اہل فکر کے افکار و محسوسات کو ایک اچھی صورت میں منظر عام پر لا سکے، پرانے لکھنے والوں کی اچھی تخلیقات چھاپے اور نئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی کرے۔"[۲]

ڈاکٹر اعجاز حسین اس زمانے کی ادبی فضا میں جمود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انسان ہو یا ادب و زبان کمپرسی کے ہاتھوں ہر ایک کا پراگندہ و خستہ حال ہونا ناگزیر عمل ہے۔ عمل و ردعمل کا یہ سلسلہ، نظام قدرت کا دستور ہے۔ کتنا ہی تندرست و توانا آدمی ہو، کیسا ہی عظیم ادبی سرمایہ ہو، بغیر قوت نمو کے سرسبز ہونا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ چنانچہ مثال کے لیے اردو زبان کو لے لیجیے باوجود اس کے کہ وہ ہندوستانی زبانوں میں اپنے سرمایہ کے لحاظ سے کسی سے کم نہیں۔ اس دور انحطاط میں بھی اچھے شاعر، افسانہ نویس، ادیب و نقاد کسی دوسری زبان کے اہل قلم سے کم تر نہیں ہیں۔ مگر ناقدری و کمپرسی کے ماحول میں اردو ادب پژمردہ نظر آتا ہے۔ بغیر غور و فکر کے بھی نظر آتا ہے کہ اس کی ترقی کی رفتار مدھم ہو گئی ہے۔ پڑھنے اور لکھنے والوں میں آہستہ آہستہ کم حوصلگی کا زہر سرایت کر رہا ہے۔ اس لیے کہ حوصلہ افزائی کے راستے مسدود ہو رہے ہیں۔"[۳]

درج بالا میں "شب خون" کے پہلے شمارے کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جس سے اس رسالے کے وجود میں آنے کی غرض و غایت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بزرگ و خورد ادیبوں و شاعروں کے سنگم سے سجا سجایا سنگم کے تٹ پر ابھرنے والے اس رسالے کے پہلے شمارے میں چار کالم مختص کیے گئے جس میں "فروغ فکر" کے تحت سید احتشام حسین (نئے تیشے نئے کوہ کن) مسیح الزماں (فن ڈراما کا فریاد)، ڈاکٹر سیتا و رسرن (ہندستانی سنگیت شاستر کی کچھ بنیادی خامیاں)، شمس الرحمن فاروقی ہیرن رچرڈ فان کرافت کے مضمون کے ترجمے (مرضیات جنسی کی نفسیات) کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔

"صہبائے آبگینہ گداز" کے تحت عمیق حنفی، فراق گورکھپوری، حبیب احمد صدیقی، رای معصوم رضا، خلیل الرحمن اعظمی، جمیلہ فاروقی، فضیل جعفری، سلیمان اریب، منظور الامین، صبا جائسی، حمدون عثمان، چندر پرکاش جوہر بجنوری، حامد حسین حامد، عثمان عارفی، بشر نواز کی منظومات شامل ہیں۔ جبکہ "زمانہ بڑے شوق سے سن رہا ہے" کے عنوان سے اپندر ناتھ اشک، شہرزاد، جوالا چندر جوشی، رام لعل، اصغر زیدی کی تخلیقات کے علاوہ آنتون چی خوف کی تخلیقات کے ترجمے کے ساتھ امینہ عکس کو پیش کیا گیا ہے۔ "قصۂ جدید قدیم" کے تحت ڈاکٹر اعجاز حسین نے شعرائے الہ آباد میں مصیب الہ آبادی کا تعارف کرایا ہے وہیں ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی "نئی آوازیں" کے ساتھ بحیثیت مبصر موجود ہیں۔ درج بالا میں شب خون کے پہلے شمارے کے مندرجات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قاری پر واضح ہو جائے کہ شمس الرحمن فاروقی یا ڈاکٹر اعجاز حسین نے جن قلم کاروں کو پیش کیا ہے ان میں جہاں اردو کے مایہ ناز ادیب و شاعر ہیں وہیں نئے قلم کاروں کو بھی خاطر خواہ جگہ دی گئی ہے۔ قدیم و جدید قلم کاروں کے امتزاجی پیش کش نے امید سے زیادہ اس رسالے کو کامیابی سے ہم کنار کیا جس کا اعتراف مدیر محترم کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"بہر حال تاریک فضا میں ایک جگنو نظر آیا۔ شب خون منظر عام پر آ گیا.....
ظاہر ہے یہ ہمت افزائی اور دلچسپی ان قنوطیوں کے دعوؤں کا ابطال کرتی ہے جن کے خیال کے مطابق آج کی ادبی فضا اس قدر مسموم ہو چکی ہے کہ اس میں کسی سنجیدہ اردو ادبی پرچہ کا سانس لینا ممکن نہیں۔"[۴]

"شب خون" کے پہلے ہی شمارے میں "ادب و احتساب" کے عنوان کے تحت ایک صفحے کی تحریر ہے جس میں ادب اور ادیب کی طرف روسی حکومت کی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ "ہم ہندوستانی ادیبوں کا فرض ہے کہ انسان اور ادب کے بنیادی حقوق پر اس بے وجہ استبداد اور احتساب کے خلاف آواز اٹھائیں۔" اس طرح رسالے نے ابتدا ہی سے اپنے باغیانہ تیور دکھانا

Scanned with CamScanner

شروع کیے لیکن ابتدا میں رسالے نے ترقی پسند رنگ و آہنگ اختیار کیا اور ترقی پسندوں کو خاطر خواہ جگہ بھی دی لیکن ان سب کے باوجود شب خون کا ابتدا ہی سے ایک غیر اعلانیہ مقصد اور ادبی مسلک بھی تھا۔ شمس الرحمن فاروقی شب خون کے سہارے جدیدیت کے فکر و فلسفہ کو ایک پلیٹ فارم دینا چاہتے تھے۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لئیق رضوی رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر اعجاز حسین کی قیادت میں شروع ہوا یہ سفر اول اول ترقی پسند ادبی نہج پر ہی نکلا۔ ابتدائی شماروں میں لکھنے والوں میں بیشتر ترقی پسند قبیل کے ہی ہیں لیکن جلد ہی 'شب خون' اپنے اصلی رنگ و تیور میں آگیا۔ یہاں جدیدیت پر کھل کر باتیں ہونے لگیں۔ پہلے تو 'ادب برائے ادب' یا 'فن برائے فن' کا نعرہ بلند ہوا اور پھر قلمکار کی فکری و تخلیقی آزادی کی وکالت بھی شروع ہوگئی۔ سیاسی و سماجی وابستگی، اصول و قوانین کی پابندیاں فضول بتا کر پوری طرح آزاد رہ کر اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر زور بڑھا۔ ظاہر ہے کہ اس بدلے ہوئے رنگ نے ترقی پسندوں کو چونکایا۔ اندیشے اور سوالات کھڑے ہونے لگے۔''[۵]

شب خون نے ابتدا ہی سے غیر جانب دارانہ صحافت کا اعلان کیا لیکن دراصل وہ جدیدیت کا فکری نقیب اور عملی استعارہ تھا۔ یہاں جدیدیت کے لیے ذہن سازی بھی کی گئی اور جدیدیت نواز نظریاتی مباحث کی شروعات بھی شب خون کے صفحات ہی پر ہوئی جس نے جدیدیت کے لیے راہ ہموار کی۔ ترقی پسندوں سے الگ ایک ادبی گروہ کی تشکیل ہوئی اور اس طرح شب خون کے ذریعے شمس الرحمن فاروقی کا تشخص قائم ہوا۔ جدیدیت کے ضمن میں شب خون کے ادبی مباحثوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس ضمن میں سید احتشام حسین اور عمیق حنفی کے درمیان ہوئے فکر انگیز طویل مباحثے خاصے کی چیز ہیں جس کی گونج ادبی حلقوں میں تادیر قائم رہی، جس کا اعتراف وحید اختر نے بھی کیا ہے:

''شب خون کے صفحات پر ساتویں دہائی کے وسط میں ادب کے متعلق ایک نئی بحث چھڑی جس کے فریق تھے احتشام حسین اور عمیق حنفی۔ ۱۹۶۰ء کے بعد جو انتہا پسندانہ جدید میلانات مقبول ہوئے ان کی تشہیر میں شب خون کو خاص اہمیت حاصل ہے..... شمس الرحمن فاروقی نے شب خون کے ذریعے اپنی اہمیت منوائی۔ ان کے تبصروں میں جو بے باکی، معروضیت، بے مروتی اور صاف گوئی ہے اس نے اردو میں رسمی تبصروں کے برخلاف ایک صحت مند روایت کو آگے بڑھایا۔''[۶]

ڈاکٹر اعجاز حسین نے اپنے ابتدائی اداریے ہی میں غیر جانب دار صحافت کی ضرورت اور اس ضرورت کے تحت شب خون کی اشاعت کی توضیح بیان کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ''ادارے کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ مختلف وقتیں جن سے اردو ادب میں جمود آگیا ہے، بے ستون پہاڑ کی طرح راہ ترقی میں حائل ہیں۔ ان کو راستے سے ہٹانے کے لیے ایک تیشے کی ضرورت ہے۔ یا جو نیند کا روان ادب پر طاری ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے اور لوگوں کو بیدار کرنے کا حربہ ادبی شب خون ہے، جو دلوں کو گرما دے، حوصلوں کو عمل سے ہم کنار کردے اور یہ رسالہ کارواں کے لیے بانگ درا بن جائے۔'' انھوں نے رسالے کو دوسرے ادبی رسالوں سے منفرد بنانے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ''رسالہ مجموعی حیثیت سے عام علمی و ادبی رسالوں سے منفرد نظر آئے چنانچہ ایسے موضوعات بھی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو ہندوستان اور مغربی زبانوں میں نئے فکری رجحانات کی ترجمانی کرتے ہیں مگر اردو ادب میں ابھی ان کی جگہ نہ ہونے کے برابر ہے، مثلاً بھیانک افسانے، عملی تنقید کے نمونے، ہندوستانی اور مغربی زبانوں کے براہ راست ترجمے وغیرہ۔ داخلی پہلو کو سنوارنے کے علاوہ خارجی خدوخال کو جاذب نظر بنانا اور دلکش انداز میں پیش کرنا بھی اس ادارے کے پیش نظر ہے۔''

شب خون کے پہلے شمارے نے ادبی صحافت کا خوبصورت نمونہ پیش کیا۔ اس سلسلے کا سب سے اہم مضمون ترقی پسند نقاد سید احتشام حسین کا 'نئے تیشے، نئے کوہ کن' ہے۔ اس مضمون میں سید احتشام حسین نے ترقی پسند ادب کا دفاع کیا اور جدید شعرا کی ابہام پسندی پر تنقید کی ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ فن میں خارجیت اور داخلیت کی میکانکی تقسیم بے معنی ہے۔ قومی زندگی کے تقاضوں، علم اور شعور سے پیدا ہونے والی بصیرتوں اور دوسروں کے فنی تجربوں میں شریک ہونے کی خواہشوں سے خیال، جذبہ، اظہار اور ذرائع اظہار کے رشتے اور تناسبات بدلتے رہتے ہیں..... صرف کچھ ترقی پسند شاعروں نے خارجیت اور داخلیت کے اندرونی ربط کو سمجھا اور حقائق کے اظہار میں دونوں کا توازن برقرار رکھا۔ اس سے فن کے تقاضے بھی پورے ہوئے اور زندگی کے بھی، اس سے انکشاف ذات بھی ہوا اور انکشاف کائنات بھی۔ یہ بات نہ تو ہر ترقی پسند شاعر کے لیے درست ہے اور نہ اس کی ہر تخلیق کے لیے تاہم یہ صحیح ہے کہ اس سے فن اور زندگی میں ایک متوازن رشتہ قائم ہونے کی صورت ضرور نکلی..... آج صورت حال بہت مختلف ہے۔ بہت سے جدید نظم نگار چند مبہم، ناتراشیدہ فنی مفروضات کے نام پر ایسی راہوں پر چل پڑے ہیں جو صرف انہیں نظر آتی ہیں وہ کسی کو اپنے ساتھ لینا نہیں چاہتے..... انفرادیت اور اپنی ذات کی جستجو میں وہ شعوری طور پر لاشعوری علامتیں تلاش کرنے میں منہمک ہیں۔''[۷]

شب خون کا تیسرا شمارہ منظر عام پر آیا تو ایک نئے عنوان ''کہتی ہے خلق خدا'' کے اضافے کے ساتھ آیا۔ اس میں پہلے شمارے کے مشمولات و مندرجات پر قارئین کا ردعمل ہے۔ اس سلسلے کا سب سے جارحانہ ردعمل وہ ہے جو احتشام حسین کے مضمون ''نئے تیشے نئے کوہ کن'' پر عمیق حنفی کے قلم سے ہے جسے احتشام صاحب کا جواب الجواب کہا جاسکتا ہے۔ اس حصے میں قارئین کے عمومی تاثرات کے لیے ''نقطے اور روشنیاں'' کا عنوان قائم کیا گیا، جس میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی، رام لعل اور شہریار وغیرہ کے تاثرات ہیں۔ لیکن ''کہتی ہے خلق خدا'' میں عمیق حنفی نے جس انداز سے احتشام صاحب کا جواب دیا اس نے ترقی پسندوں کے خلاف شب خون کے نقطہ نظر کو واضح کر دیا۔ عمیق حنفی نے جہاں احتشام صاحب کی خارجیت اور داخلیت کی میکانکی تقسیم کے بے معنی ہونے کو تسلیم کیا ہے وہیں جدید نظم نگاروں کے یہاں ابہام، اشکال کی تشخیص کو غیر ضروری بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ لاشعوری، داخلی، ذاتی اور رویائی علامتوں کے تجربات کرنے والے جدید شاعر بہت کم ہیں۔''[۸]

عمیق حنفی نے لکھا کہ:

''ذاتی طور پر اظہار کے ترسیلی امکانات کو جان بوجھ کر تنگ اور کند کرنا پسند نہیں کرتا..... لیکن اظہار کی ترسیلی صلاحیت بڑھانے کے لیے کسی نظام فکر، تصور حیات یا منشور کی اطاعت تجویز کرنا شاعر کی فنی دیانت داری اور اس کی فکری وسیع النظری کے حق میں نہیں ہے۔ اگر شاعر بصیرت، تجربے کی وسعت اور گہرائی، فکر کی رفعت اور گیرائی، تیکھا شعور اور دیانت دار انسانی احساس رکھتا ہے تو حیات و کائنات اس کے سامنے افشا ہو جاتے ہیں۔ جب حیات اور شاعر کی ذات میں کوئی حجاب، کوئی پردہ، کوئی دیوار اور کوئی غیریت نہ ہو تو کسی مخصوص تصور حیات سے وابستگی کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جاسکتا۔ جدید شاعر تخلیقی عوامل سے گزرتے ہوئے اپنے ذہن کو غیر مشروط رکھتا ہے۔''[۹]

ظاہر ہے شب خون کے صفحات پر عمیق حنفی کے درج بالا خیالات کا شائع ہونا شمس الرحمن فاروقی کے نظریات کی ترسیل تھی جو اس بات کا اشاریہ تھا کہ ترقی پسند فکر قابل قبول نہیں ہے، اسی لیے آخر آخر عمیق حنفی نے فیصلہ کن انداز میں لکھا:

Scanned with CamScanner

> "جدید شاعری ہی آج شاعری ہے باقی سب تقلید، نقالی، بھٹائی، دھنڈھورچی پن، اشتہار بازی، منافقت، مجاوری، مصلحت کوشی اور دنیاداری ہے، بازی گری اور شعبدہ بازی ہے، غیرادبی مقاصد کے حصول کی بیساکھی ہے۔"[10]

شب خون کے اسی شمارے میں احتشام صاحب کا نقطۂ نظر قارئین تک پہنچانے میں جس دیانت داری کا ثبوت شمس الرحمن فاروقی نے پیش کیا ہے وہ شب خون کو اعلیٰ ادبی صحافت کا معیار عطا کرتا ہے۔ عمیق حنفی کے جواب میں احتشام صاحب کا جواب بہت ہی سلجھا اور معیاری ہے جو ان کی علمی ژرف نگاہی کا ثبوت ہے۔ انھوں نے عمیق حنفی کے ہر اعتراض کا مدلل اور واضح نقطۂ نظر کے ساتھ جواب دیا لیکن ان کی فراخدلی اور انکساری جگہ جگہ ظاہر ہوتی ہے۔ اس جواب الجواب کے آخری پیراگراف کے کچھ اجزا ملاحظہ فرمائیں جس سے احتشام صاحب کے نقطۂ نظر کی وضاحت قارئین پر واضح ہوجائے۔

> "یہ درحقیقت عمیق حنفی صاحب کے اعتراض کا جواب نہیں ہے، صرف ایک ایسے قاری کی طرف سے صفائی ہے جو اپنی نارسائی ذہن کا اعتراف کرتا ہے، جو اپنی بصیرت اور مسرت میں اضافہ کرنے کے لیے ہر جدید اور جدیدتر شاعر کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش میں دن رات لگا رہتا ہے اور جب گرہیں کھولتے کھولتے اس کے ناخن دکھ جاتے ہیں تو اپنے دل سے سوال کرتا ہے، کیا شاعروں کو اسی لیے پڑھنا چاہیے ...... زندگی بخش خوبصورت، خیال انگیز اور نور باب ادب چاہتا ہوں محض گھروندے، کھلونے، معمے، ڈھکوسلے، پہیلیاں اور چٹکلے نہیں...... اچھی شاعری جس شاعر کے یہاں ملے گی میرے دل و دماغ میں جگہ پائے گی۔"[11]

شمس الرحمن فاروقی کے رسالہ شب خون میں ترقی پسندی کے بعد کے ادب کی باتیں زیادہ واضح نقطۂ نظر کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے یہ رسالہ جدیدیت کے ترجمان کے طور پر ابھر کر ادبی دنیا پر چھا گیا وجہ صرف یہ تھی کہ اس میں جدید ادب اور جدید نثر نگاروں، شاعروں کی نگارشات کو زیادہ اہمیت دی جارہی تھی۔ فاروقی نے اداریے کی جگہ مغربی ادیبوں کے نثرپاروں سے انتخاب شائع کیا جس سے فاروقی پر یہ بھی الزام لگا کہ وہ مغربی ادب کو مشرقی ادب پر ترجیح دیتے ہیں اور ترقی پسندوں کو نظرانداز کرتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فاروقی نے اس میں ترقی پسند ادیبوں اور ان کی اشاعت کو بھی کافی جگہ دی ہے۔ انھوں نے کارل مارکس کو اپنے ادارتی اقتباس میں جگہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ شب خون کی اعلیٰ اور معیاری تحریریں کسی خاص تحریک یا مہم سے مبرا ہیں لیکن اس حقیقت کے باوجود یہ بھی سچائی ہے کہ شب خون نے جدیدیت کی سمت و رخ طے کرنے میں اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔

جدیدیت اور شب خون آگے چل کر ایک سکے کے دو رخ بن گئے اور شمس الرحمن فاروقی جدیدیت کے علمبردار کے روپ میں اردو دنیا کی شناخت بنے۔ وہ جدیدیت کے پیروکار رہے اور آخر عمر تک اس کا اظہار کرتے رہے۔ انھوں نے جدیدیت کی تحریک جو ابتدا سے آخر تک موضوع بحث رہی اور جس کے بارے میں جدیدیت کے حامی بھی ابہام کے شکار رہے اس کی وضاحت جہاں وارث علوی جیسے جدید نقادوں نے جارحانہ انداز سے کیا وہیں فاروقی نے بہت ہی مدلل اور سلجھے ہوئے انداز سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ وارث علوی نے اپنے مضمون "جدیدیت کے بڑے بھائی لوگ" میں جدید نقادوں کے فکری انتشار کو بھی تسلیم کیا ہے:

> "جدیدیت کے متعلق خود جدیدیت کے حامیوں میں اتنا زبردست فکری انتشار ہے کہ ان کی تنقید کی روشنی میں یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ جدیدیت کیا ہے اور جدیدیت کے متعلق ان میں سے ہر ایک کے تصورات کیا ہیں اور ان تصورات میں کون سی قدریں مشترک ہیں اور کن باتوں میں اختلافات ہیں۔"[12]

اسی مضمون میں وارث علوی نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی:

> "جدیدیت فی نفسہ نہ کسی کو شاعر بناتی ہے نہ نقاد۔ جدید نقاد یا جدیدیت کا علمبردار نقاد کوئی قیمت نہیں رکھتا تاوقتیکہ وہ بنیادی نقاد نہ ہو۔"[13]

"جدیدیت کے بڑے بھائی لوگ" دراصل جدیدیت پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہونے والے سیمینار میں پڑھے گئے مقالات جسے بعد میں "جدیدیت اور ادب" کے عنوان سے کتابی شکل دی گئی۔ اس پر ناقدانہ نظر ہے جسے فاروقی نے شب خون میں مئی ۱۹۷۲ء میں شائع کیا تھا۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر فاروقی نے جون تا دسمبر ۲۰۰۵ء کے شمارے میں بھی مذکورہ تحریر کو جگہ دی ہے۔ اس مضمون میں وارث علوی جگہ جگہ افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ وہ رام لعل کے مضمون "افسانہ اور قاری" کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ "اس مضمون کے فکری انتشار کا یہ عالم ہے کہ اس میں افسانہ اور قاری کے رشتہ پر دو جملے بھی ایسے نظر نہیں آتے جو بصیرت افروز ہوں۔" وارث کرمانی کے مضمون "جدید شعری تنقید" کے تعلق سے لکھا کہ "ان مضامین کا تعلق ان کے عنوانات سے اتنا ہی ہے جتنا مثلاً کیمسٹری کی کسی کتاب کا خدا سے ہوتا ہے۔" کرشن چندر کے تعلق سے رقم طراز ہیں کہ "ایک ادیب اور فن کار کے طور پر اب کرشن چندر پر بات چیت ممکن ہی نہیں رہی۔" ڈاکٹر محمد حسن کی تنقید پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "محمد حسن کو فن کار کے طریقۂ کار اور ادب اور آرٹ کی جمالیات کا علم سرے سے ہے ہی نہیں۔" قمر رئیس کے تعلق سے رقم طراز ہیں کہ "ڈاکٹر قمر رئیس کا مضمون "جدید اردو ناول" کا مقابلہ آپ ڈاکٹر محمد حسن کے مضمون سے کریں گے تو آپ کو بہت سی خصوصیات مشترک نظر آئیں گی۔ دونوں میں تجزیاتی مطالعے کی کمی ہے ناقدانہ بصیرت کا دونوں میں شدید فقدان ہے۔" وارث علوی، بلراج کومل اور گوپی چند نارنگ کے مداح ہیں، وہ ان کے مضامین میں سوچتے ہوئے ذہن کی کارفرمائیاں محسوس کرتے ہیں۔ موصوف "آگ کا دریا" سے لے کر "تیز ہوا میں تنہا پھول" تک نئے لکھنے والوں نے جس جس طرح اپنی جڑوں کو پانے کی کوشش کی ہے اسے ایک مثبت رویہ تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ "آپ فن کی طرف اپنا رویہ درست کیجیے، ملک، قوم، سماج کی طرف آپ کا رویہ خودبخود ٹھکانے پر آجائے گا۔ فن کو آپ انکشاف حقیقت کا ذریعہ بنائیے تو حقیقت بھی آپ کے ہاتھ آئے گی۔ وارث علوی احتشام حسین، ممتاز حسین، ظ انصاری، سردار جعفری، سجاد ظہیر، محمد حسن کی تنقیدوں کو سرے سے تنقید ہی نہیں مانتے اور آخر میں ترقی پسندوں پر کاری وار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہمارے بڑے بھائی لوگ یہ چاہتے ہیں کہ سائنس، ٹکنالوجی اور صنعتی نظام کی آسائشوں سے بھی فیض یاب ہوتے رہیں اور روحانی نجات کے راستے بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائیں۔" وہیں جدیدیت سے منسلک شاعروں کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں "جدید شاعر صنعتی نظام سے نالاں ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ صنعتی نظام نے آدمی کو مرکزی بنا کر اسے سماج کی مرکزی تہذیب روایت سے بے بہرہ کرکے روحانی اور تہذیبی طور پر بانجھ کردیا ہے۔"

درج بالا پیراگراف سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ شب خون نے آزادی فکر اور آزادی تحریر پر جہاں ابتدا میں زور دیا ہے اسے بھی اس نے ایک مشن کی طرح برابر جاری رکھا۔ اس میں بہت سے ادبی مباحث اٹھائے گئے اور موافق و مخالف دونوں نقطۂ نظر کو آزادی کے ساتھ آنے کا موقع دیا۔ ادبی مسائل پر نئے انداز سے سوچنے اور لکھنے کی دعوت دی۔ اردو کی ادبی صحافت کی تاریخ میں بہت سے رسالوں نے طویل عمریں پائیں لیکن شب خون کا یہ امتیاز رہا کہ اس نے ایک ادبی رجحان اور تحریک کا درجہ حاصل کیا۔ جدید ادب اور جدید تنقید کی نمائندگی کے باوجود شب خون نے کلاسیکی ادب کی تفہیم و تعبیر کا سلسلہ بھی قائم رکھا۔ میر، غالب، اقبال اور اکبر کے فکر و فن پر مسلسل مضامین شائع کیے۔ ادب و شاعری کے علاوہ موسیقی و مصوری کے ساتھ ساتھ تہذیبی و فکری موضوعات پر مفید اور کارآمد تحریریں پیش کیں۔ تبصروں میں معیار کا خیال رکھا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ شب خون اور فاروقی پر ایک نسل کو گمراہ کرنے کا الزام بھی لگا، جس کا احساس فاروقی کو خود بھی تھا۔ اس الزام کا جواب فاروقی نے اورینٹل کالج لاہور کی ایک تقریر جو ۳۰ اپریل ۲۰۰۴ء کو جدیدیت کے عنوان

Scanned with CamScanner

پر کی تھی، بخوبی دیا ہے۔ اس تقریر کا عنوان "جدیدیت کل اور آج" تھا۔ فاروقی نے اس تقریر کو شب خون کے مارچ ۲۰۰۵ء کے شمارے میں شائع بھی کیا، جس میں جدیدیت کے آغاز وارتقا اور اس وقت کی صورت حال کا کماحقہ محاکمہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جدیدیت کے بارے میں عام طور پر اور مجھ جیسے بندۂ غریب کے بارے میں خاص طور پر یہ کہا گیا کہ صاحب! اس آدمی نے بڑا گمراہ کیا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ بھی اس سے گمراہ ہو چکے ہوں یا ہونے والے ہوں ..... نئی شاعری اور پرانی شاعری میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ دونوں ہی شاعری ہیں۔ تو جو سب سے پہلا اصول بنتا ہے جدیدیت کا وہ یہ ہے کہ شعر کو ادب کو سمجھنے سمجھانے، اس کو قائم کرنے، اپنے ذہن میں اس کو پیدا کرنے اور زندہ رکھنے کے لیے پہلا معیار یہ ہونا چاہیے کہ شعر کی ادبی حیثیت کیا ہے، ادبی طور پر وہ شعر کے تقاضے پورا کرتا ہے یا نہیں؟ فن کے جو تقاضے ہیں وہ ادبی طور پر پورے ہوں، اس طرح نہیں کہ سیاسی طور پر، ذہنی طور پر، فلسفے کے طور پر، کسی سماجی پروگرام کے طور پر یا کسی اور طرح سے ..... اس لیے پہلا اصول یہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی کہ شعر یا فن یا ادب، یہ انسان کے باطن کا اظہار ہے اور اس کے کچھ معیارات ہیں جو پہلے تو ادبی اصولوں کے تحت ہوں گے جن کی روشنی میں آپ یہ طے کریں گے کہ کوئی چیز ادب ہے کہ نہیں ..... جدیدیت نے جو گویا حملہ کیا، قلعہ سر کیا، وہ یہ کہ بھائی ادب کو ادبی معیار سے دیکھو، شعر اور فن کو اس کے شعری اور فنی معیار سے دیکھو ..... جدیدیت یہ کہتی ہے کہ ادیب کو کسی مفروضے، کسی نظریے کا پابند مت قرار دو۔ اس کو یہ مت کہو تم کو یہ کام کرنا چاہیے۔"[۴]

اردو کے ادبی رسائل میں شب خون کا کیا مقام و مرتبہ ہے اس کی وضاحت کے لیے ایک دفتر درکار ہے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ نثر و نظم کے حوالے سے جتنا وافر اور اہم ذخیرہ شب خون کے صفحات پر محفوظ ہے، اس کے لیے متعدد مقالات یا ریسرچ بھی ناکافی ہیں۔ شب خون ان معدودے چند رسالوں میں سے ایک ہے جس نے ۳۹ سال مکمل کرنے کے بعد اپنی معدومیت کا اعلان کیا اور لکھا "شمارہ (۲۹۲) شب خون کے انتالیسویں سال کا آخری شمارہ ہے۔ اگلا شمارہ شب خون کے چالیسویں برس کا پہلا اور شب خون کی زندگی کا آخری شمارہ ہوگا۔"

شمس الرحمن فاروقی نے شب خون کے آخری شمارے کے اداریے کو "ماہم نشان لمۂ پاگذاشتیم" کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ شمس الرحمن فارقی اپنی اس کوشش سے خوش اور مطمئن ہیں کہ شب خون نے ادبی جمود کو توڑا اور قلم کار اور قاری کے درمیان مثبت رابطہ کا کام کیا۔ انھوں نے لکھا:

"شب خون گذشتہ کئی دہائیوں سے اردو کے جدید ادبی شعور کا حصہ بن گیا تھا۔ اس کی مخالفت بھی ہوئی اور آخری چند برسوں میں بعض بااثر حلقوں کی طرف سے اس کی تحریری مخالفت نہیں تو اس کا زور توڑنے کی متنوع کوششیں بھی ہوئیں۔ یہ تو عام طور پر کہا گیا کہ جدیدیت اب نمٹ چکی اور اب بھلا شب خون کا معاصر ادبی منظر نامے میں کیا کردار ہو سکتا ہے، لیکن اس سب کے باوجود شب خون کو پڑھنا ہم سب کی ضرورت بنا رہا۔"[۵]

چالیس برس کی ادبی صحافت پر محیط شب خون اپنے آپ میں ایک عہد ہی نہیں، ایک عہد کا بولتا ہوا آئینہ ہے۔ ۲۰۰۵ء تک پوری آب و تاب سے نکلنے والے شماروں میں آخری شمارہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلی جلد عام شماروں کی آخری کڑی ہے۔ اس میں دوسرے مشمولات کے ساتھ شب خون کے تمام ۲۹۹ شماروں کا گوشوارہ بھی شامل ہے جبکہ دوسری جلد میں جسے "سرمایۂ بہاراں" کا نام دیا گیا ہے، چالیس برس کے شب خون کا انتخاب شامل ہے۔ اس طرح جدیدیت کے زیریں وجودیت، علامت نگاری، تجریدیت، ساختیات پس ساختیات اور فنی جمالیات پر جو مباحث معرض وجود آئے ہیں وہ بھی شب خون میں محفوظ ہیں۔ منظومات کا حصہ بھی شب خون میں گراں مایہ ہے۔ فرد کی ذات اور اس کے تجربات کے اردگرد گھومتی جدید شاعری جو بعض مقامات پر علامت، رمز، کنایہ اور تمثال کے بیجا اور بے تحاشہ استعمال کے ذریعہ بوجھل معلوم ہوتی تھی اور متعدد جدید شعراء کا کلام لفظی شعبدہ بازی کا نمونہ معلوم ہوتا تھا، شب خون نے ان شعرا کو جگہ بھی دی اور ان نئے لکھنے والوں کی ذہن سازی اور فکری تربیت کے ساتھ ان کی کوتاہیوں کی نشاندہی بھی کی اور ان شعرا پر بے دریغ تنقید کرنے والوں کے لیے وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ادبی صحافت کے اقدار کی پاسداری بھی کی ہے۔ اس طرح شمس الرحمن فاروقی نے نئی طرح سے سوچنے اور لکھنے والوں کو ایک بڑا اور معتبر پلیٹ فارم دیا۔

شب خون نے نہ صرف یہ کہ جدیدیت کے رجحان کو آگے بڑھایا بلکہ اس کے مخالفین کے سوالوں کے جواب بھی دیے، اسی لیے شب خون کو جدیدیت کے نمائندہ رسالے کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سلسلے میں فاروقی صاحب نے جدیدیت کے بنیادی سروکار اور اس کی امتیازی خصوصیات پر تفصیل سے لکھا اور دلائل کے ساتھ جدیدیت پر ہونے والے اعتراضات کو غلط ٹھہرا دیا۔ شب خون کی اہمیت وافادیت کے تعلق سے احمد محفوظ رقم طراز ہیں:

"تقریباً ۳۰۰ شماروں پر مشتمل شب خون کا مکمل ذخیرہ ایسا خزانہ ہے جس میں جدید اردو ادب کی تاریخ کا نہ صرف بڑا حصہ جمع ہے بلکہ اس میں مشرق و مغرب کی قدیم اور جدید روایات، افکار و خیالات اور ان کی عملی صورتیں بھی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اس رسالے نے اردو دنیا کی دو تین نسلوں کی جس طرح ذہنی و فکری تربیت کی ہے اور شعر و ادب کی شاہراہ میں جو نئی نئی راہیں نکالی ہیں انھیں کبھی نظر انداز نہ کیا جا سکے گا۔"[۶]

آج جب کہ اردو دنیا اردو صحافت کا دو سو سالہ جشن منا رہی ہے، ہم خوش قسمت ہیں کہ اس دوران ہم نے اس عہد میں سانسیں لی ہیں جس میں شب خون شائع ہوتا تھا۔ جس نے ہم جیسے نوجوانوں کی تربیت کی۔ بہت سی باتیں سمجھی بھی گئیں اور بہت سی باتیں فاروقی کے علمی دبدبے نے نہ سمجھنے دیا۔ بہت سی گمراہ کرنے والی تحریریں بھی پڑھیں اور بہت سی تحریریں ذہنی سکون کا سبب بھی بنیں۔ نظریاتی اختلاف بھی سامنے آئے لیکن فاروقی کی علمی وجاہت اور شب خون کی علمی و ادبی پیشکش نے ہم سب کو متاثر کیا اور آج ہم کہنے پر مجبور ہیں کہ ادبی دنیا پر شب خون مارنے والے شمس الرحمن فاروقی نے جہاں شاعری، فکشن، تنقید و تحقیق میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں اردو کی ادبی صحافت کی تاریخ میں بھی ان کا نام زریں حروف میں محفوظ رہے گا اور آج بھی شب خون اپنے اوراق کے مطالعے کی دعوت دے رہا ہے کہ ادبی جمود ادب کی موت ہے۔

فاروقی کا اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے ادبی جمود کو توڑتے ہوئے ایک پوری نسل کو متوجہ بھی کیا اس لیے شب خون اور فاروقی دونوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

استدراک:

(۱) فاروقی ارگلی، مضمون: شمس الرحمن فاروقی، روزنامہ راشٹریہ سہارا، ۳۰ ستمبر ۲۰۰۸ء، ص: ۲، (۲) کچھ باتیں، شب خون، جون ۱۹۶۶ء، ص: ۳، (۳) ایضاً، (۴) ایضاً، (۵) لئیق رضوی، مضمون "شب خون جدیدیت کا علمبردار، مشمولہ نقش نو سالانہ عالمی اردو جریدہ، ۲۰۲۰-۲۰۲۱، شعبۂ اردو حمیدیہ گرلس ڈگری کالج، پریاگ راج، الہ آباد یوپی، انڈیا-ISSN2320-3781، ص: ۹۲-۹۱، (۶) وحید اختر، نظری تنقید، اردو ادب آزادی کے بعد، شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۷۳ء، ص: ۴۶-۴۵، (۷) سید احتشام حسین، مضمون "نئے تیشے نئے کوہ کن"، مشمولہ شب خون، جلد ۱، شمارہ ۱، جون ۱۹۶۶ء، ص: ۸-۷، (۸) عمیق حنفی، کہتی ہے خلق خدا، مشمولہ شب خون، اگست ۱۹۶۶ء، ص: ۷۳، (۹) ایضاً، (۱۰) ایضاً، ص: ۷۴، (۱۱) سید احتشام حسین، کہتی ہے خلق خدا، مشمولہ شب خون، اگست ۱۹۶۶ء، ص: ۷۶، (۱۲) وراث علوی، جدیدیت کے بڑے بھائی لوگ، شب خون، جون تا دسمبر ۲۰۰۵ء، ص: ۱۹۳۴، (۱۳) ایضاً، (۱۴) شمس الرحمن فاروقی، جدیدیت کل اور آج، شب خون، مارچ ۲۰۰۵ء، ص: ۴۸-۴۵، (۱۵) ماہم نشان لمۂ پاگذاشتیم، شب خون (حصہ اول)، جون تا دسمبر ۲۰۰۵ء، (۱۶) احمد محفوظ، نقارۂ خدا (حصہ دوم) مشمولہ شب خون، جون تا دسمبر ۲۰۰۵ء، ص: ۶۰۵

□□□

Scanned with CamScanner